HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
AL-HAYAT Research Journal
Jlali Research Institute of Social Science, Lahore
ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print): 3006-4759
Volume 2 Issue 1 (Oct-Dec 2024)

اخلاق و معاملات میں تصریف آیات: ملاک التاویل لابن الزبیر الغرناطی کی روشنی میں

The Diversification of Qur'anic Verses in Ethics and Dealings: In the Light of Malaak al-Ta'weel by Ibn al-Zubayr al-Gharnati

Eesha Raazia
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore
eeshahasan99.ier@pu.edu.pk

Prof. Dr. Muhammad Hammad Lakhvi
Professor, Institute of Islamic Studies, Dean, Faculty of Islamic Studies, University of the Punjab Lahore

Abstract

Taṣrīf al-Āyāt—commonly rendered as "the diversification of Qur'anic discourse"—constitutes a pivotal discipline within the classical ʿUlūm al-Qurʾān (Qur'anic sciences). Imām Badr al-Dīn al-Zarkashī identifies this field as ʿIlm al-Mutashābihāt, which examines recurrent and thematically related verses, including variations in wording, structure, and stylistic expression. This discipline investigates both partial and complete repetitions within the Qur'anic text and explores how a single thematic concept is articulated through multiple linguistic, rhetorical, and semantic forms. Such variation is a hallmark of Qur'anic inimitability (iʿjāz): by expressing a single idea through diverse modes of discourse, the Qur'an engages the intellectual, psychological, and spiritual plurality of its audience, ensuring that divine guidance—aimed at securing God's pleasure and ultimate salvation—remains universally accessible. Among the most prominent scholars in this discipline is Ibn al-Zubayr al-Gharnāṭī, an eminent Andalusian authority in Qur'anic exegesis, ḥadīth studies, qirāʾāt (variant readings), and jurisprudence. His magnum opus, Malāk al-Taʾwīl, is devoted entirely to analyzing verses that appear repetitive, parallel, or closely interconnected. In this work, he systematically elucidates the rationale behind variations in diction, structure, and rhetorical form across verses that address similar themes. A selection of verses dealing with ethics (akhlāq) and interpersonal transactions (muʿāmalāt) is examined in this study to illustrate Ibn al-Zubayr's methodological approach. His multilayered analysis demonstrates that Qur'anic variation is not redundant; rather, it functions as a deliberate rhetorical device that enriches meaning, deepens interpretive insight, and amplifies the moral and theological force of the Qur'anic message.

Keywords: Tasrīf al-Āyāt; Ibn al-Zubayr al-Gharnāṭī; Qur'anic Ethics and Interpersonal Dealings; ʿUlūm al-Qurʾān; ʿIlm al-Mutashābihāt

تمہید

تصریفِ آیات—جسے عموماً "قرآنی بیان کی تنویع" کے طور پر بیان کیا جاتا ہے—علومِ قرآن کی ایک اہم اور دقیق شاخ ہے۔ امام بدر الدین زرکشی نے اسے "علم المتشابہات" کے ذیل میں رکھا ہے، جو اُن آیات کے مطالعے سے متعلق ہے جو بظاہر ایک دوسرے سے مشابہ ہوں، لیکن اُن کے الفاظ، تراکیب اور اسلوبِ بیان میں باریک معنوی فرق موجود ہو۔ اس علم کا مقصد یہ جانچنا ہے کہ قرآنِ مجید کسی ایک مفہوم یا موضوع کو مختلف انداز، متنوع تعبیرات اور متعدد بلاغی طرزوں میں کیوں بیان کرتا ہے۔ یہ اسلوبِ تنویع دراصل اعجازِ قرآن کا مظہر ہے، کیونکہ قرآن ایک ہی حقیقت کو مختلف بیانی صورتوں میں پیش کر کے انسانی ذہنی، نفسیاتی اور روحانی تنوع کو مخاطب بناتا ہے، تاکہ ہدایتِ الٰہی ہر طبقے اور ہر مزاج تک مؤثر انداز میں پہنچ سکے۔ اس میدان کے اہم ترین علما میں سے ایک ابن الزبیر غرناطی ہیں، جو اندلسی مفسر، محدث، قاری اور فقیہ کی حیثیت سے ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ ان کی شہرۂ آفاق تصنیف ملاک التأویل خاص طور پر ان آیات کے تجزیے کے لیے وقف ہے جو کسی موضوع کے تحت مکرر یا ہم معنی نظر آتی ہیں۔ ابن الزبیر ان آیات میں موجود لفظی و ترکیبی فرق کی حکمت کو نہایت باریک بینی سے واضح کرتے ہیں۔ اخلاق اور معاملات سے متعلق چند منتخب آیات،

CC BY

ابن الزبیر کی تحقیقی بصیرت اور اسلوبیاتی گہرائی کی بہترین مثالیں فراہم کرتی ہیں۔ان کے نزدیک آیاتِ قرآنی میں پایا جانے والا تنوع تکرار نہیں، بلکہ ایک بلاغی حکمت ہے جو مفہوم کو گہرائی بخشتی، معانی کو وسعت دیتی اور اخلاقی واعتقادی پیغام کو زیادہ مؤثر بناتی ہے۔تصریف آیات علوم القرآن میں ایک اہم علم ہے جس میں مشابہ آیات، مشابہ ومترادف الفاظ یا پھر جزوی وکلی آیات کے تکرار پر بحث کی جاتی ہے۔اس فن پر متقدمین نے کام کا آغاز کیا اور متاخرین کی طرف سے علم البلاغۃ کے تحت مختلف پہلوؤں سے کام جاری ہے۔قرآن مجید میں تصریف کا لفظ بارہ(12) سورتوں میں بیس(20) مقامات پر استعمال ہوا ہے۔تصریف کا مادہ 'ص ر ف'، باب تفعیل سے مصدر ہے۔اس باب میں مبالغہ، کثرت اور اہتمام پایا جاتا ہے۔اس طرح تصریف کے لغوی معنیٰ 'بار بار پھیرنے' کے ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی نے اپنی کتاب المفردات فی غریب القران میں تصریف کے بارے میں لکھا ہے

رد الشي من حالة او ابدله بغيره --- التصريف كالصرف الا فى التكثير، واكثر ما يقال فى صرف الشئ من حالة الى حالة ، ومن امر الىٰ امر[1]

کسی چیز کو اس کی ایک حالت سے دوسری حالت میں پھیر دینا یا اسے کسی اور شے سے بدل دینا۔ تصریف کے معنی بھی وہی ہیں جو 'صرف' کے ہیں۔ البتہ تصریف میں صرف سے زیادہ کثرت کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس میں کسی چیز یا کام کا بہت زیادہ ایک حالت سے دوسری حالت میں پھرنا مراد ہے۔

علوم القران میں تصریف آیات ایک اہم اصطلاح ہے۔قدیم وجدید کتب میں اس پر تفصیلات پائی جاتی ہیں ۔عرب علمائے لغت وادب اور مفسرین نے تصریف آیات کی اصطلاح کو مختلف انداز میں واضح کیا ہے۔اس بارے میں منتخب وضاحتیں پیش کی جارہی ہیں۔

البحر المحیط میں ابوحیان الاندلسی کے مطابق

والتصريف لغة صرف الشئى من جهة الى جهة ثم صار كنايتاً عن التبيين[2]

تصریف کے لغوی معنی کسی چیز کو ایک طرف سے دوسری طرف پھیر دینے کے ہیں۔ پھر اصطلاح میں اسے لفظ کے معنی تبیین کے کنائے کے ہو گئے۔

امام باقلانی کے مطابق

واما التصريف فهو: تصريف الكلام فى المعانى كتصريف فى الدلالات المختلفة [3]

تصریف کسی کلام کو مختلف معنی میں پھیرنا ہے جس طرح مختلف دلالات میں پھیرا جاتا ہے۔

ابو جعفر احمد بن ابراہیم بن الزبیر الغرناطی(م708ھ) اندلس کے مشہور مفسر، محدث اور ادیب تھے۔علمِ تفسیر کے ساتھ ساتھ حدیث، فقہ اور ادب میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ مشہور نحوی مفسر ابن حیان ان کے شاگرد تھے۔ان کی سب سے معروف کتاب ملاک التاویل ہے، جو تشابہ آیات کے حوالے سے ایک منفرد علمی کارنامہ ہے۔

ابن الزبیر الغرناطی نے اندلس کے اس دور میں زندگی گزاری جب وہاں بلاغت، ادب اور فلسفہ اپنے عروج پر تھا۔ آپ کو خاص طور پر نظمِ قرآن اور تشابہات کے حل میں دلچسپی تھی اور اسلوبِ بیان ادبی اور بلاغی نکات پر مبنی ہے۔کتاب کا پورا نام ملاک التاویل القاطع بذوی الالحاد والتعطیل فی توجہ المتشابہ اللفظ من آی التنزیل ہے۔ڈاکٹر محمود کامل کی تحقیق کے ساتھ 1983ء میں، دو جلدوں میں مکتبہ دار النھضۃ العربیہ بیروت سے شائع ہوئی ہے۔پہلی جلد کے صفحات کی تعداد 993 اور دوسری جلد میں 1012 صفحات ہیں۔ملاک التاویل کا بنیادی مقصد تشابہ آیات کی توضیح اور ان میں پائے جانے والے اختلافِ تعبیر وتصریف کو بیان کرنا ہے۔

ملاک التاویل کا بنیادی مقصد آیت کی توضیح اور ان میں پائے جانے والے اختلاف کی توجیہات دینا ہے۔ان توجیہات میں زیادہ تر وہ سیاق کلام میں پائے جانے والے عنوانات کو سامنے رکھتے ہیں۔ اختلاف الفاظ کی بنیاد میں لغت، یا دیگر مفسرین کی آراء کو پیش کرتے ہیں۔اختلاف قرات اور ابواب وافعال کا فرق نمایاں کرتے ہیں۔کچھ تصریف لفظی کی توجیہات میں جاہلی دور کے شعراء کو بھی بطور حوالہ پیش کرتے ہیں۔

ملاک التاویل میں تشابہ آیت کے پس منظر میں موجود بلاغی حکمت کو دیگر آیات کی مدد سے واضح کیا ہے۔مثلاً(وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ[4]) اور سورۃ القصص میں(وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ[5]) پہلی آیت حضرت یوسفؑ سے متعلق ہے اور دوسری آیت حضرت موسیٰؑ کے بارے میں ہے آیت کا مضمون ایک ہے لیکن دوسری آیت میں وَاسْتَوَىٰ کا اضافہ ہے۔اس کے جواب میں ابن الزبیر الغرناطی نے دیگر سورتوں سے اپنے مؤقف کی تائید کی ہے کہ اسْتَوَىٰ کے اضافہ میں کیا حکمت پوشیدہ ہے۔سورۃ احقاف کی آیت(حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً[6]) کے ذریعہ اَشُدَّهٗ پختگی کی عمر چالیس سال بیان کی ہے۔قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کے رُشد سے اَشُدَّهٗ تک پہنچنے کا تذکرہ مختلف مقامات پر بیان ہوتا ہے۔ قبطی کو مارنے، مصر سے نکلنے، شیخ مدین کی بیٹی سے شادی کے بعد مصر واپسی اور رسالت ملنے کے موقع کو وَاسْتَوَىٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس کے مقابلے میں حضرت یوسفؑ پر گہرے کنویں میں وحی کی گئی تو وہ اَشُدَّهٗ کے سن تک پہنچ گئے تھے۔لیکن حالت استواء تک نہیں پہنچے تھے۔جس کا تذکرہ حضرت موسیٰؑ کے متعلق کیا گیا ہے۔

اخلاق و معاملات انسانی زندگی اور معاشرت کے ایسے بنیادی ستون ہیں جو فرد کے کردار اور معاشرتی ڈھانچے دونوں کی مضبوطی یا کمزوری کا تعین کرتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر میں اخلاق صرف ایک اختیاری یا شخصی خوبی نہیں بلکہ ایمان کا جزوِ لازم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق بہترین ہو" [7]۔ اسلام میں معاملات کا دائرہ محض تجارتی لین دین تک محدود نہیں بلکہ گھریلو، معاشرتی، سیاسی، عدالتی اور حتیٰ کہ بین الاقوامی تعلقات تک پھیلا ہوا ہے، جہاں عدل، امانت، وعدہ وفائی اور رحم بنیادی اصول ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُ بِٱلْعَدْلِ وَٱلْإِحْسَٰنِ وَإِيتَآئِ ذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ ٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ وَٱلْبَغْىِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ[8]

دیگر مذاہب بھی اخلاقیات کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔ عیسائیت میں انجیل کی تعلیمات محبت، معافی اور خدمتِ خلق پر مرکوز ہیں، جیسا کہ "اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لیے دعا کرو" [9]۔ ہندومت میں دھرم (واجبات) اور اہنسا (عدم تشدد) اخلاقیات کا مرکزی ستون ہیں، جبکہ بدھ مت میں رحم، سچائی اور خواہشات پر قابو روحانی نجات کے لیے لازم ہیں۔ یہودیت میں تورات اور تلمود کی روشنی میں عدل، شریعت پر عمل اور برادری کے اندر شفاف لین دین پر زور دیا جاتا ہے۔

اسلام کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں اخلاق و معاملات عقیدہ، عبادات اور قانون کے ساتھ ہم آہنگ اور ایک منظم نظام کا حصہ ہیں۔ ان اصولوں کا اطلاق رنگ، نسل یا مذہب کی قید کے بغیر پوری انسانیت پر یکساں ہوتا ہے۔ اس سے نہ صرف فرد کے کردار کی تربیت ہوتی ہے بلکہ ایک ایسا سماج تشکیل پاتا ہے جہاں اعتماد، انصاف اور خیر سگالی کو فروغ ملتا ہے۔

جب اخلاقی اصولوں اور درست معاملات کو نظر انداز کیا جاتا ہے تو معاشرے میں بداعتمادی، انتشار، بدعنوانی اور ظلم پروان چڑھتے ہیں۔ برعکس اس کے، جب یہ اصول مضبوطی سے نافذ ہوں تو معاشرہ امن، عدل اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ چنانچہ، اخلاق و معاملات کی اصلاح محض ایک مذہبی تقاضا نہیں بلکہ پائیدار اور پرامن سماجی ڈھانچے کے قیام کی عالمی ضرورت ہے۔

ملاک التاویل میں ابن الزبیر الغرناطی نے تصریف آیات کے ضمن میں اخلاق و عبادات پر مبنی احکام اسطرح واضح کیے ہیں۔

مثال

سورۃ بقرۃ کی آیت ہے

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا[10]

صرف سورۃ بقرۃ میں (ما الفينا) آیا ہے۔ اور سورۃ لقمان کی آیت میں اس سے ملتے جلتے الفاظ اس طرح ہیں

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا[11]

دونوں آیات میں ایک ہی بات بیان کی گئی ہے اور تصریف کا پہلو اَلْفَيْنَا اور وَجَدْنَا ہے۔ کہ کفار مکہ کو جب بھی توحید کی دعوت دی جاتی تو ان کا جواب یہی ہوتا کہ ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤاجداد کو پایا ہے۔ مگر ان دونوں آیت میں تصریف الفاظ ہے۔ 'وجدنا' اور 'الفينا'۔ ان دونوں میں فرق کیا ہے۔

اس کا جواب ابن الزبیر نے اس طرح دیا ہے کہ 'وجد' علم کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ جیسے 'وجدت الضالة' میں نے گمشدہ چیز کو پالیا۔ یعنی 'وجد' ایک سے زیادہ معانی رکھتا ہے۔ اس کے مقابلے میں 'الفىٰ' (بمعنی علم) متعدی نہیں ہو سکتا سورۃ بقرۃ کی آیت میں (مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا) سے پہلے کی آیت کا مضمون اسطرح ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (168) اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ[12]

ان آیات میں منکرین کے آباؤاجداد نے اللہ کے بارے میں وہ باتیں کہیں جو شیطان نے انہیں کہا جب کہ ان کو گوں کے پاس علم نہ تھا اور نہ علم کا شائبہ پس مخاطب (منکرین مکہ) بھی علم کو پانے کے باوجود مان نہیں رہے اور کہتے ہیں کہ (مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا) سورۃ بقرۃ کی طوالت کی مطابق 'الفىٰ' زیادہ مناسب تھا اور سورۃ لقمان کے اختیار کو دیکھتے ہوئے 'وجد' مناسب رکھتا ہے۔[13]

مفردات القرآن میں مولانا عبد الرحمٰن کیلانی نے 'وجد' کو اسطرح واضح کیا ہے۔ وجد سے مراد کسی چیز کو دیکھنے کے لئے عام ہے۔ جیسا کہ (كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ-وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا) اور 'الفىٰ' کسی چیز سے حجاب کا دور ہو جانا ہے۔ الفیٰ نسل در نسل ملنے والی چیز کے لئے ہے۔ اور 'وجد' میں عمومیت ہے۔ ابن الزبیر الغرناطی نے دونوں الفاظ کے درمیان اختلاف کی وضاحت لغت کے ذریعے کی ہے۔

CC BY

مثال

وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حُسْنًا[14]

وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ[15]

وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ إِحْسَـٰنًا[16]

والدین کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق ابن الزبیر نے یہ فرق واضح کیا ہے کہ العنکبوت اور الاحقاف میں وصیت کا اجمالاً ذکر ہے۔ اس لئے اہتمام کے ساتھ **'حسنا'** اور **'احسانا'** کا اضافہ ہے۔ جبکہ سورۃ لقمان میں اس آیت کے بعد **(أَنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ إِلَىَّ ٱلْمَصِيرُ)** وارد ہے جو کہ **'حسنا'** اور **'احسانا'** کے قائم مقام ہے۔ اسلئے **'حسنا'** اور **'احسانا'** کو شامل نہیں کیا گیا۔ ان تینوں مقامات میں فرق اجمال اور تفصیل کا ہے۔[17]

مثال

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ[18]

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ[19]

سورۃ البقرۃ کی دونوں آیات میں اس مقام پر تصریف لفظی ہے۔ ابن الزبیر الغرناطی نے سیاق وسباق میں اختلاف کو سامنے رکھ کر لفظی اختلاف کا جواب دیا ہے کہ پہلی آیت جس میں **'لا يرجعون'** یہ منافقوں کے بارے میں ہے جو بہرے گونگے اور اندھے بنتے ہیں۔ جبکہ منافق نبی کریم ﷺ کی صحبت میں بیٹھے ہیں، قرآن پاک کو سنتے ہیں پھر بھی حقیقی ایمان کو قبول نہیں کرتے۔ اسلئے ان کی ارادتاً ایمان سے دوری کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ایمان کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔ دوسرے مقام پر بہرے، گونگے اور اندھے کی مثال کافروں کے متعلق ہے۔[20]

دوسری آیت ان لوگوں کے متعلق ہے جو اپنے کفر وعناد میں اتنے دور جا چکے ہیں کہ اپنی عقل کو استعمال کر کے قرآن پر توجہ نہیں کرتے۔ وہ محض قرآن سنتے ہیں لیکن شعور نہیں رکھتے۔ اسلئے **'لَا يَعْقِلُونَ'** کا استعمال کیا جانا مناسب تھا۔

سیاق وسباق کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں الفاظ میں اختلاف کی توجیہ کی گئی ہے۔

مثال

هَـٰذَا بَلَـٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِۦ وَلِيَعْلَمُوٓا أَنَّمَا هُوَ إِلَـٰهٌ وَٰحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُوا ٱلْأَلْبَـٰبِ[21]

كِتَـٰبٌ أَنزَلْنَـٰهُ إِلَيْكَ مُبَـٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا ءَايَـٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا ٱلْأَلْبَـٰبِ[22]

ان دونوں آیات میں عقل والوں کی نصیحت کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں **'يَذَّكَّرَ'**، دوسری آیت میں **'يَتَذَكَّرَ'** لا گیا تو اس تصریف لفظی کا سبب کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں سیاق آیت کے اعتبار سے مناسبت پائی جاتی ہے۔ سورۃ ص کی آیت میں پہلے **'يَدَّبَّرُوٓا'** ہے۔ جس میں دو حروف شدت ہیں۔ یعنی 'د' اور 'ب' اور تشدید کے ساتھ ہیں تو اس لحاظ سے **'يَتَذَكَّرَ'** لانا مناسب تھا۔ **'يَتَذَكَّرَ'** میں بھی دو حروف شدت ہیں۔

اور سورۃ ابراہیم میں حروف شدت نہیں بلکہ حروف رخوہ (نرم الفاظ) پائے جاتے ہیں۔ اس لئے وہاں **'لِيَذَّكَّرَ'** لایا جانا مناسب تھا۔ یعنی **'ت'** اور **'ذ'** دونوں موجود ہیں، ملے ہوئے نہیں اور یہ اصل ہے کہ دونوں الگ ہوں۔

يَذَّكَّرَ کا اصل **يَتَذَكَّرَ** ہی ہے۔ اور پہلا اختلاف ہونے کی بنا پر زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ اور اسی لئے جو سورۃ قرآن میں پہلے آتی ہے یعنی سورۃ ابراھیم میں ہی استعمال ہوا ہے۔ جو سورۃ ترتیب کے اعتبار سے بعد میں آئی ہے، یعنی سورۃ ص، وہاں ثقیل لایا گیا ہے۔ اس کی مثال ایک اور جگہ ہے جیسے سورۃ البقرۃ میں **(فمن تبع هدٰى)** کہا گیا ہے اور بعد کی سورۃ طٰہٰ میں **(فمن اتّبع هدٰى)** آتا ہے۔[23]

مثال

فَأَخَذْنَـٰهُم بِٱلْبَأْسَآءِ وَٱلضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ[24]

اور سورۃ الاعراف میں ارشاد فرمایا

وَمَآ أَرْسَلْنَا فِى قَرْيَةٍ مِّن نَّبِىٍّ إِلَّآ أَخَذْنَآ أَهْلَهَا بِٱلْبَأْسَآءِ وَٱلضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ[25]

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ **تضرع** باب تفعیل ہے اور سورۃ الاعراف کی آیت میں تفعیل کی **'ت'** اگلے حرف **'ف'** میں مدغم کر دی گئی ہے تو ایسا کیوں ہے حالانکہ دونوں آیات میں مضمون ایک ہی ہے۔

اس کا جواب ملاک التاویل میں اس طرح دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ اہلِ عرب الفاظ کے لانے میں مجاورت کا لحاظ رکھتے ہیں کا یعنی اگر ایک لفظ خاص طرح سے وارد ہوا ہے تو اس کا پڑوسی لفظ بھی اسی وزن پر ہو گا چاہے معنی میں اختلاف کیوں نہ واقع ہو جائے۔ مثال کے طور پر کسی کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے

يَسُوءُكَ ويَنُوءُك
تجھے یہ بات بری لگے گی اور دور کر دے گی

سیبویہ کہتے ہیں کہ اہل عرب اسی طرح لفظ کے ساتھ لفظ کو ملاتے ہیں، حالانکہ یہی لفظ اگر تنہا استعمال ہوتا تو ایسے وارد نہ ہوتا جیسے **يَسُوءُكَ ويَنُوءُك**، یہ لفظ **(يَنُوءُك)** اصلا **يُنِيئُكَ** (بروزن **يُزِيلُكَ**) ہے بمعنی دور کرنا۔ لیکن چونکہ یہ **يَسُوءُكَ** کے بعد آیا ہے تو اس کے وزن پر **يَنُوءُك** لایا گیا ہے۔ اور اگر اختلاف معنی کے باوجود ایسا کرنا جائز ہے تو اتحاد معنی کے موقع پر کیوں نہ جائز ہو گا۔

تضرع ماضی کا صیغہ ہے اور اس میں **'ت'** کا **'ف'** میں ادغام نہیں ہوتا۔ سورۃ الانعام کی اگلی آیت میں یہی لفظ ماضی کے صیغے سے آرہا ہے فرمایا **(فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا**[26]**)** تو اسی مناسبت سے ماقبل آیت میں مضارع کے صیغے کو بھی بغیر ادغام کے لایا گیا یعنی **بتضرّعون** کہا گیا۔ لیکن سورۃ الاعراف میں چونکہ ایسی کوئی مناسبت نہ تھی اس لیے ادغام کے ساتھ **يَضَّرَّعُونَ** کہا گیا کہ یہ صیغہ زبان پر ہلکا محسوس کیا جاتا ہے۔[27]

ماہرین علم البلاغت کے مطابق یہ قرآن مجید کا خاص اسلوب ہے کہ لفظ ایک ہی ہوتا ہے لیکن اس کی دو شکلیں معروف ہوتی ہیں ایک میں حروف پورے ہیں اور دوسرے میں ایک حرف کم ہے یا دوسرے حرف میں مدغم کر دیا گیا ہے جیسے **'لا تتفرقوا'** اور **'لا تَفَرَّقُوا'** اور اسی طرح **'لم تستطع'** اور **'لم تسطع'**

اگر لفظ پورا ہو تو اس کے معنی میں شدت گہرائی اور عدد کے لحاظ سے اس کی شمولیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور اگر ایک حرف کی کمی ہو تو اس میں معنی کے اعتبار سے تخفیف آسانی اور عددی اعتبار سے عدم شمولیت یا قلیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ اس تصریف کی توجیہ میں اہل عرب کے قاعدہ مجاورت کو بھی ابن الزبیر الغرناطی نے بطور دلیل پیش کیا ہے۔

مثال

سورۃ الشوریٰ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

شرع لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ[28]

اور سورۂ آل عمران میں اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا[29]

پہلی آیت میں لفظ مکمل شکل میں ہے کہا **'ولاتفرقوا'** کیونکہ وہاں ایک ملت کا نہیں بلکہ پانچوں اولوالعزم پیغمبروں ہی کی اُمتوں کا بیان ہے جس کے بالمقابل سورۂ آل عمران کی آیت میں صرف اہل ایمان یا امت مسلمہ مخاطب ہے اس لیے لفظ **وَلَاتَفَرَّقُوا** ، تخفیف کے ساتھ بیان ہوا۔ اور سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کی مذکورہ مثال میں بھی کچھ ایسی ہی صورت حال ہے۔ سورۃ الانعام میں لفظ **'بتضرّعون'** اپنی مکمل شکل میں وارد ہوا ہے کیونکہ وہاں بہت سی امتوں کا بیان ہے۔ فرمایا گیا **(ولَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَى أُمَمٍ مِنْ قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ**[30]**)**

اور اس کے مقابلے میں سورۃ الاعراف کی آیت میں ہر بستی کے نبی کا ذکر ہے **(وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَّبِيٍ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ** [31]**)** یہاں چونکہ ہر بستی کے رہنے والوں کا تذکرہ ہے اس لیے مخاطبین کا دائرہ کار محدود ہو گیا اور اس مناسبت سے ایک حرف کی کمی (باب تفعل کی تاء) کے ساتھ لفظ **'ضَرَّعُونَ'** لایا گیا۔[32]

خلاصہ یہ ہے کہ حروف کی کمی بیشی کو لفظی تصریف کی وجہ کے طور پر واضح کیا گیا ہے۔

مثال

سورۃ المائدہ میں یہ آیت ارشاد ہوئی

CC BY

أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ(33)

اور سورة الحج میں

وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ(34)

ان دونوں آیات میں اول تو ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے **أُحِلَّتْ لَكُمْ** لیکن سورة المائدہ کی آیت میں **بَهِيمَة** کا اضافہ ہے جو کہ سورة الحج کی آیت میں وارد نہیں ہے تو اس تصریف کی کیا وجہ ہے؟ ملاک التاویل میں ابن الزبیر الغرناطی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ دونوں آیات کا مقصود مختلف ہے اور اس بات کی تفصیل یوں ہے کہ **الانعام** کا لفظ سورة الانعام کے مطابق آٹھ مویشیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کہ اس سورت کی آیت ۱۴۳ میں بیان کی گئیں، فرمایا **(ثمنِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ)** اور پھر اگلی آیت میں فرمایا **(وَمِنَ الْإِبِلِ الْبَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْن)**

یہ جانور ویسے تو چار ہیں لیکن نر اور مادہ کے اعتبار سے آٹھ ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے قبل آیت میں قد کے اعتبار سے **'حمولة'** (بار برداری والے جانور) اور **'فرشا'** (یعنی زمین سے لگے جانور جیسے بھیڑ بکری) کی تقسیم بھی بتائی گئی۔ اور پھر سورة النحل میں انہی مویشیوں سے حاصل کردہ دودھ کی نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرمایا **(وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ)** یہاں جس دودھ کا بطور نعمت تذکرہ کیا جا رہا ہے وہ انہی چار مویشیوں سے نکلنے والا دودھ ہے نہ کہ ان جنگلی جانوروں کا جن کا دودھ اصولاً تو حلال ہے لیکن وہ انسان کے بس میں نہیں ہے۔ **انعام** کا لفظ جنگلی جانوروں پر بھی صادق آتا ہے لیکن وہ یہاں مراد نہیں ہیں۔

انعام کا اطلاق اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری پر ہوتا ہے جنہیں آٹھ جوڑوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ حاجی اگر احرام کی حالت میں ہو تو اس پر جنگلی جانوروں کا شکار حرام ہے۔ فرمایا **(وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا)** اب سورة الحج میں حج سے متعلق احکامات بیان ہوئے ہیں۔ فرمایا **(ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ)** اور پھر حرمت والی چیزوں اور شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم دیا **(وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ)** اور پھر آخر میں یہ بھی بتا دیا کہ حاجی کے لیے حالت احرام میں کون سا کھانا حلال ہے۔ فرمایا **وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الأنعام** اور تمہارے لیے مویشی حلال کیے گئے۔ اور یہاں **بهيمة الأنعام** کا تذکرہ مناسب نہیں تھا جس کا ذکر سورة المائدہ میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے **وَاحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ** کیونکہ **'بهيمة'** جنگلی جانوروں کی طرف اشارہ ہے۔ (35)

سورة المائدہ میں اس لفظ کا خاص طور پر ذکر کیوں آیا؟ اس کے جواب میں دیگر تفاسیر سے رہنمائی ملتی ہے کہ سورة المائدہ آخر میں نازل ہونے والی سورت ہے اور اس میں کئی احکامات کے بارے میں تکمیلی ہدایات نازل ہوئی ہیں جیسے احکامات بابت وضو، تیمم، اور شکار کی تفصیلات کھانے پینے کی اشیاء میں حرام چیزوں کا ذکر۔ اسی طرح بہت سے دوسرے احکامات بھی نازل ہوئے جو سب کے سب محکم ہیں اور ان میں سے کوئی منسوخ نہیں ہے۔ اور پھر اس میں تکمیل دین کی بھی آیت ہے فرمایا **(الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ)** اور یہی وجہ تھی کہ اس سورت میں **بهيمة الانعام** یعنی وحشی جانوروں کے حلال ہونے کا بھی ذکر کیا گیا اور کسی دوسری سورت میں یہ ذکر نہیں آیا اور اس سورت میں مردار خون اور لحم خنزیر کی حرمت کا ذکر کرنے کے بعد ان حادثاتی محرمات کا بھی ذکر کیا جن سے وحشی چوپایوں کو زیادہ سابقہ پیش آتا ہے اور اسی لیے ان کا تذکیہ (باقاعدہ ذبح کیا جانا) پالتو جانوروں سے مختلف بھی ہو سکتا ہے۔

حادثاتی محرمات سے مراد یہ جانور ہیں **(وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ)** یہ دراصل تفصیل ہے اس امر کی جس کی طرف سورة المائدہ کی پہلی ہی آیت میں اشارہ کیا گیا تھا **(وَاحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ)** تمہارے لیے وحشی جانور حلال کیے گیے ماسوا ان کے جن کا بیان تم پر کیا جائے گا۔ اس لیے یہاں حالت احرام میں شکار کے حلال نہ ہونے کا ذکر بھی کر دیا گیا **غير محلى الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُم** مگر حالت احرام میں شکار کو حلال مت سمجھنا۔ اور پھر سورة کے آخر میں صاف صاف حکم دے دیا **(وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ)** اور جب تک تم حالت احرام میں ہو تو تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا۔ اس بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ جو لفظ جہاں آیا ہے وہی مناسب تھا اور اگر اس کا الٹ ہوتا تو قطعاً مناسب نہ ہوتا۔

اخلاق و معاملات پر مبنی احکام میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کے موضوع پر تین آیات سورة العنکبوت، الاحقاف اور سورہ لقمان کی ہیں ان میں **حُسناً** اور **احسانا** کی تصریف ہے۔ ابن الزبیر کے مطابق ان تینوں مقامات میں فرق اجمال اور تفصیل کا ہے جس آیت میں **احسانا** یا **حُسناً** کا تذکرہ نہیں دراصل اس کے بعد اس نے سلوک کے قائم مقام ہے۔ اس جگہ کی تصریف کو سیاق وسباق کے مضمون سے جوڑا گیا ہے۔

(وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنَاهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ) اور الاعراف میں **(وَمَا اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا اَخَذْنَا اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ)** ان دونوں میں تصریف لفظی کو ابن الزبیر نے اہل عرب کے قاعدہ مجاورت سے جواب دیا ہے کہ اپنے ہمسایہ الفاظ کے انداز پر الفاظ کا استعمال کرنا۔ علم بلاغت کا اصول ہے کہ ایک ہی لفظ کی کئی شکلیں مستعمل ہوتی ہیں۔ جبکہ معنٰی میں فرق نہیں ہوتا مثلا **اِسطَاعُوا** اور **اِستَطَاعُوا**۔ اگر لفظ پورا ہو تو اس کے معنی میں شدت گہرائی اور عدد کے لحاظ سے اس کی شمولیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور اگر ایک حرف کی کمی ہو تو اس میں معنی کے اعتبار سے تخفیف آسانی اور عددی اعتبار سے عدم شمولیت یا اقلیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

CC BY

(إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ)زمخشری نے آخری چار اصناف کے ساتھ فِي کے استعمال پر سوال اٹھانے کے بعد اسطرح حکمت بیان کی ہے کہ 'فی' اس بات پر دلالت ہے کہ یہ اصناف ماقبل اصناف کی بنسبت زیادہ حق دار ہیں چونکہ 'فی' ظرف اور برتن کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ان چار اصناف کو باقی اصناف سے الگ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مکاتب یا غلام یا قیدی اور قرض دار کو زکوۃ دینے میں آزادی دلانا ہے اور غازی فقیر یا حاجی فقیر میں عبادت و فقر کا اجتماع ہے اسی طرح مسافر میں بھی فقر اور گھر بار سے دوری دو چیزیں مجتمع ہو جاتی ہیں۔اور آخری دو اصناف وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اور وَ ابْنِ السَّبِیْلِ میں 'فی' کو مکرر ذکر کیا تاکہ ماقبل دو الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ پر اس کی فضیلت پر دلالت ہو۔

---

(1) راغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن،(دمشق: دار القلم،1997ء) مادہ ص،ر۔ف

(2) ابو حیان محمد بن یوسف ،الاندلسی، البحر المحیط فی التفسیر لمحقق: صدقی محمد جمیل، دار الفکر، بیروت، 1420ھ، ج:7، ص: 52

(3) الباقلانی، ابوبکر،محمد بن طیب، اعجاز القران، المحقق: السید احمد سقر، دار المعارف ،مصر، الطبعۃالخامسۃ، 1997 ، ج: 1، ص 272

(4) یوسف: 22

(5) القصص: 14

(6) الاحقاف: 15

(7) ترمذی، حدیث: 1162

(8) النحل : 90

(9) بائبل، متی 5:44

(10) البقرۃ: 170

(11) اللقمان: 21

(12) البقرۃ: 168-169

(13) ابن الزبیر، ملاک التاویل، ج 1، ص 102

(14) العنکبوت: 8

(15) القمان: 14

(16) الاحقاف: 15

(17) ابن الزبیر، ملاک التاویل، ج 2، ص 762

(18) البقرۃ: 171

(19) البقرۃ: 18

(20) ابن الزبیر، ملاک التاویل، ج 1، ص 34

(21) ابراہیم: 52

(22) ص: 29

(23) ابن الزبیر، ملاک التاویل، ج 2، ص 581

(24) الانعام: 42

(25) الاعراف: 94
(26) الانعام: 43
(27) ابن الزبير، ملاک التاويل، ج 1، ص 326
(28) الشورىٰ: 13
(29) آل عمران: 103
(30) الانعام: 42
(31) الاعراف: 95
(32) ابن الزبير، ملاک التاويل، ج 2، ص 848
(33) المائده: 1
(34) الحج: 30
(35) ابن الزبير، ملاک التاويل، ج 1، ص 229

CC BY